سورۃ النازعات

آیاتھا ۴۶ | ۷۹ سُوْرَۃُ النّٰزِعٰتِ مَکِّیَّۃٌ ۸۱ | رکوعاتھا ۲

یہ سورت مکی ہے۔ اس کی پینتالیس یا چھیالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝۲ وَّ السّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝۳ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝۴
فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝۵ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝۶ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝۷ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ
وَّاجِفَةٌ ۝۸ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝۹ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝۱۰ ءَاِذَا
كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝۱۱ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝۱۲ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝۱۳
فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝۱۴

''قسم ہے (فرشتوں کی) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں اور بند آسانی سے کھولنے والے ہیں اور تیزی سے تیرنے والے ہیں پھر (تعمیل ارشاد میں) جو دوڑ کر سبقت لے جانے والے ہیں پھر (حسب حکم) ہر کام کا انتظار کرنے والے ہیں۔ جس روز تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی، اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہوگا۔ کتنے دل اس روز (خوف سے) کانپ رہے ہوں گے، ان کی آنکھیں (ڈر سے) جھکی ہوں گی۔ کافر کہتے ہیں: کیا ہم پلٹائے جائیں گے الٹے پاؤں (یعنی) جب ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے۔ بولے: یہ واپسی تو بڑے گھاٹے کی ہو گی (پس اسی واپسی کے لیے) تو فقط ایک جھڑک کافی ہے پھر وہ فورا کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے''۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ چیزوں کی قسم اٹھائی کہ قیامت برحق ہے۔ النّٰزِعٰتِ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار کی روحوں کو نکالتے ہیں؛ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مسروق و مجاہد کا یہی قول ہے: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسانوں کے نفوس نکالتے ہیں (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد کفار کے نفوس ہیں جنہیں ملک الموت ان کے جسموں سے نکالتا ہے ان کے ہر بال کے نیچے سے، ناخنوں کے نیچے سے اور قدموں کی جڑ سے اس طرح جس طرح گوشت بھوننے والی سیخ تر اون سے نکالی جاتی ہے پھر وہ انہیں جسموں میں داخل کرتے ہیں پھر اسے باہر نکالتے ہیں یہ کفار کے ساتھ اس کا معاملہ ہے (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 57
2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 441

سعید بن جبیر نے کہا: ان کی روحیں نکالی گئیں، پھر غرق کی گئیں پھر انہیں جلایا گیا، پھر انہیں جہنم میں پھینک دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافر موت کے وقت نفس کو دیکھے گا کہ وہ غرق ہو رہا ہے۔ سدی نے کہا: النّٰزِعٰتِ سے مراد وہ نفوس ہیں جو سینوں میں غرق ہو جاتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد موت ہے جو نفوس کو کھینچتی ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو ایک افق سے دوسرے افق کی طرف جاتے ہیں، یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: نزع الیہ، یعنی اس کی طرف گیا اور عربوں کے اس قول سے لیا گیا ہے: نزعت الخیل گھوڑے دوڑے۔ غَرْقًا یعنی وہ غرق ہو جاتے ہیں، غائب ہو جاتے ہیں وہ ایک افق سے ظاہر ہوتے ہیں اور دوسرے افق میں غائب ہو جاتے ہیں؛ یہ تعبیر ابو عبیدہ، ابن کیسان اور اخفش نے کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کمانوں کو کھینچنے والے ہیں جو کمانوں پر تیر چڑھا کر انہیں کھینچتے ہیں؛ یہ عطا اور عکرمہ نے کہا ہے۔ غَرْقًا، اغراق کے معنی میں ہے۔ اغراق النازع فی القوس کا مفہوم یہ ہے جہاں تک وہ قوس کو کھینچ سکتا تھا وہاں تک پہنچ گیا یہاں تک کہ وہ پھل تک پہنچ گیا یہ جملہ بولا جاتا ہے: اغرق فی القوس اس نے پورا پورا کھینچا۔ استغراق کا معنی استیعاب ہوتا ہے انڈے کے اندرونی پردے کو غرقی کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسے غازی ہیں جو تیر پھینکنے والے ہوں۔

میں کہتا ہوں: یہ اور مقابل تعبیر برابر ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے قوموں کی قسم اٹھائی تو اس سے مراد قوس کھینچنے والے بھی ہوں گے مقصود قوموں کی عظمت بیان کرنا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ الْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝ (العادیات) قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑتے ہوئے آواز نکالتے ہیں۔ اغراق سے مراد کھینچنے میں مبالغہ کرنا ہے یہ تمام تاویلات میں جائز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ وحشی ہیں جو گھاس سے نکلتے ہیں اور بھاگ جاتے ہیں؛ یہ یحییٰ بن سلام نے بیان کیا ہے۔ غرق کا معنی بہت ہی دور۔

وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومن کے نفس کو نکالتے ہیں جس طرح اونٹ کے اگلے پاؤں سے ڈھنگا کھولا جاتا ہے؛ فراء نے یہ قول بیان کیا پھر کہا: عربوں سے جو کچھ میں نے سنا وہ یہ کہتے ہیں اُنْشِطت کما اُنْشِط من عقال یعنی کھولنے کے لیے مجہول کا فعل استعمال کیا جاتا ہے باندھنے کے لیے مجرد کا فعل استعمال کیا جاتا ہے باندھنے والے کو ناشط کہتے ہیں۔ جب تو اونٹ کے بازو میں رسی باندھے تو کہے گا: نشطته اور تو ناشط ہوگا اور جب تو اس رسی کو کھولے تو اس وقت کہے گا: انشطته، انت منشط۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس سے مراد موت کے وقت مومنوں کے نفوس ہیں وہ تیزی سے نکلتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے جب بھی کسی مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس پر جنت پیش کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو کچھ تیار کیا ہوتا ہے یعنی بیویاں اور حور عین تو ان سب کو دیکھ لیتا ہے۔ وہ اسے اپنی طرف دعوت دیتے ہیں وہ ان کی طرف تیزی سے نکلتا ہے اور ان کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد کفار اور منافقوں کے نفوس ہیں ان کے نفوس کو یوں نکالا جاتا ہے جس طرح عقب کو نکالا جاتا ہے۔ عقب اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ تیر کو لپیٹا جاتا ہے۔ عقب سے مراد وہ پٹھا ہے جس

سے تانت بنائی جاتی ہے اس کا واحد عقبہ ہے اس سے تو کہتا ہے: عقب السھم والقدح والقوس عقبا، جب تو ان چیزوں پر کوئی چیز لپیٹے۔ نشط کا معنی تیزی سے کھینچنا ہے اس سے انشوطه کا لفظ ہے جس کا معنی ایسی گرہ ہے جس کا کھولنا آسان ہو جب تو اسے کھینچے جس طرح ازار بند کی گرہ ہوتی ہے۔ ابوزید نے کہا: اس کا باب یوں چلایا جاتا ہے نشطتُ الحبل أَنْشِطُه نشطا۔ میں نے اسے ایسی گرہ کے ساتھ باندھا جس کا کھولنا آسان تھا انشطته یعنی میں نے اسے کھول دیا۔ انشطت الحبل یعنی میں نے اسے پھیلایا یہاں تک کہ اس کی گرہ کھل گئی۔ فراء نے کہا: انشط العقال، ڈھنگا کھولا گیا۔ نشط اس کے ہاتھوں میں رسی باندھی گئی۔ لیث نے کہا: انشطته بأنشوطة وأُنشوطتين یعنی میں نے اسے ایک گرہ یا دو گرہوں سے باندھا۔ أنشطت العقال، میں نے اس کے ڈھنگے کو لمبا کیا تو وہ ڈھنگا کھل گیا۔ یہ بھی قول کیا گیا ہے کہ نشط، أنشط کے معنی میں ہے، دونوں لغتیں ایک معنی میں ہیں۔ اس تعبیر پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا پہلا قول صحیح ثابت ہوتا ہے۔ انہیں سے ایک قول یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ ناشطات سے مراد فرشتے ہیں جنہیں ان کے نشاط کی وجہ سے ناشطات کہا جاتا ہے وہ جہاں کہیں ہو اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ جاتے اور آتے ہیں۔ ان سے اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار کی روحوں کو جلد اور ناخنوں کے درمیان سے نکالتے ہیں یہاں تک ان کے پیٹوں سے اسے بڑی سختی کے ساتھ نکالتے ہیں جب کہ انہیں بڑی تکلیف اور غم لاحق ہوتا ہے جس طرح تو خاردار تار کو اون سے نکالتا ہے۔ اس وقت نشط کھینچنے کے معنی میں ہوگا یہ جملہ بولا جاتا ہے: نشطتُ الدلوَ أنشِطها وانشُطها۔ یعنی میں نے اسے کھینچا۔ اصمعی نے کہا: بئر انشاط۔ ایسا کنواں جس کی گہرائی تھوڑی ہو جس سے ڈول ایک دفعہ کھینچنے سے نکل جاتا ہے۔ بئر نشوط ایسے کنویں کو کہتے ہیں جس سے ڈول کئی دفعہ کھینچنے سے نکلتا ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ ایسی موت ہے جو انسان کے نفس کو کھینچتی ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد ایسے نفوس ہیں جن کو دونوں قدموں سے کھینچا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: النّٰزِعٰتِ سے مراد نمازیوں کے ہاتھ اور ان کی ذاتیں ہیں جو تیر چڑھا کر کمانوں کو کھینچتے ہیں۔ النّٰزِعٰتِ سے مراد وہ ہاتھ ہیں جو گھوڑوں اور اونٹوں کی رسیوں کو کھولتے ہیں۔

عکرمہ اور عطا نے کہا: اس سے مراد وہ تانتیں ہیں جن کے ساتھ تیروں کو چھوڑا جاتا ہے۔ عطا، قتادہ، حسن بصری اور اخفش سے مروی ہے: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو ایک افق سے دوسرے افق کی طرف جاتے ہیں۔ صحاح میں اسی طرح ہے یعنی وہ ستارے جو ایک برج سے دوسرے برج کی طرف نکلتے ہیں جس طرح بیل ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جاتا ہے اور غم والے کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

ابوعبیدہ اور عطا نے کہا: النّٰشِطٰتِ سے مراد وہ وحشی جانور ہیں جو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جاتے ہیں جس طرح غم انسان کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف لے جاتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا: النّٰزِعٰتِ سے مراد کافروں کی روحیں نکالنے والے ہیں اور النّٰشِطٰتِ سے مراد مومنوں کی روحیں نکالنے والے ہیں۔ فرشتے مومن کی روح کو نرمی سے کھینچتے ہیں۔ نزع کا معنی سختی سے کھینچنا ہے اور نشط کا معنی نرمی سے کھینچنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ دونوں آیتیں کفار کے لیے ہیں باقی مومنین کے لیے ہیں جب وہ دنیا سے جدا ہو رہے ہوتے ہیں۔

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا۝ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومنوں کی روحوں کے ساتھ تیرتے ہیں۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومنوں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں جس طرح ایک آدمی پانی میں تیرتا ہے کبھی وہ نیچے چلے آتے ہیں اور کبھی وہ اوپر اٹھ آتے ہیں وہ نرمی سے اسے نکالتے ہیں پھر اسے چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ آرام کر لیں۔ مجاہد اور ابو صالح نے کہا: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے آسمان سے جلدی آتے ہیں جس طرح تیز رفتار گھوڑے کو سابح کہتے ہیں جب وہ تیز دوڑے۔ مجاہد سے مروی ہے: فرشتے اترنے اور اوپر چڑھنے میں تیزی کرتے ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ السّٰبِحٰتِ سے مراد موت ہے جو بنی آدم کے نفسوں میں تیرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد نمازیوں کے گھوڑے ہیں؛ عنترہ نے کہا:

والخيلُ تَعْلَمُ حين تَسْ بَحُ في حِياض الموت سَبْحا

گھوڑے جانتے ہیں جب وہ موت کے حوضوں میں تیرتے ہیں۔

قتادہ اور حسن نے کہا: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو افلاک میں تیرتے ہیں اسی طرح سورج اور چاند ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ۝ (یٰس) ہر ایک اپنے اپنے فلک میں تیر رہا ہے۔ عطا نے کہا: اس سے مراد وہ کشتیاں ہیں جو پانی میں تیرتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: السّٰبِحٰتِ سے مراد مومنوں کی روحیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کی رحمت کے شوق میں تیرتے ہیں جب وہ نکلتی ہیں۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا۝ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انبیاء تک وحی پہنچانے میں شیاطین پر سبقت لے جاتے ہیں؛ یہ مسروق اور مجاہد کا بھی قول ہے۔ مجاہد اور ابو روق سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسانوں پر خیر اور عمل صالح میں سبقت لے گئے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنی آدم پر عمل صالح میں سبقت لے جاتے ہیں تو اسے لکھ لیتے ہیں۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد موت ہے جو انسان پر سبقت لے جاتی ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومنوں کی روحوں کو جنت کی طرف جلدی لے جاتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اس سے مراد مومنوں کے نفوس ہیں جو ملائکہ کی طرف سبقت لے جاتے ہیں جو ان کی روحوں کو قبض کرتے ہیں جبکہ انہوں نے فرحت و سرور کو دیکھ لیا ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کی رحمت کا شوق رکھتے ہیں۔ ربیع سے بھی اسی طرح مروی ہے کہا: اس سے مراد وہ نفوس ہیں جو موت کے وقت نکلنے میں سبقت لے جاتے ہیں۔ قتادہ، حسن اور معمر نے کہا: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن میں سے بعض بعض سے چال میں سبقت لے جاتے ہیں۔ عطا نے کہا: اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو جہاد کی طرف سبقت لے جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ روحیں ہیں جو جسموں سے پہلے جنت یا جہنم کی طرف سبقت لے جاتی ہیں؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔ جرجانی نے کہا: سابقات کا فاء کے ساتھ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اس سے مراد بھی پہلے والے ہیں یعنی جو تیرتے ہیں اور سبقت لے جاتے ہیں۔ تو کہتا ہے: وہ اٹھا اور چلا گیا تو یہ چیز اس امر کو ثابت کرتی ہے کھڑا ہونا جانے کا سبب ہے اگر تو کہتا: قام و ذھب تو کھڑا ہونا جانے کا سبب نہ ہوتا۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۝ قشیری نے کہا: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ ماوردی نے کہا: اس بارے میں دو قول ہیں: (۱) اس سے مراد ملائکہ ہیں؛ یہ جمہور کا نقطہ نظر ہے۔ (۲) اس سے مراد سات ستارے ہیں؛ یہ خالد بن معدان نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت نقل کی ہے۔ ان کے امور کی تدبیر کی دو صورتیں: (۱) ان کے طلوع و غروب کی تدبیر کرنا (۲) اللہ تعالیٰ نے اس میں جو احوال کے بدلنے کا فیصلہ کیا ہے وہ تدبیر ہے؛ قشیری نے بھی اپنی تفسیر میں یہی قول نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالم کے بہت سے امور کو نجوم کی حرکات کے ساتھ معلق کیا ہے پس تدبیر کو ان ستاروں کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اگرچہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے جس طرح ایک چیز کو اس کے مجاور کی وجہ سے نام دے دیا جاتا ہے۔

اگر مراد فرشتے ہوں تو ان کی تدبیر سے مراد یہ ہو گا کہ وہ حلال و حرام اور اس کی تفصیل کے ساتھ نازل ہوتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: اس میں یہ امر اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے لیکن جب فرشتے اسے لے کر اترے تو انہیں یہ نام دے دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ۝ (شعراء) اسے روح الامین لے کر نازل ہوئے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (بقرہ: 97) جبریل امین نے اسے تیرے دل پر نازل کیا۔ یعنی جبریل امین نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر اسے نازل کیا جبکہ نازل کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ مدبرات امر سے مراد وہ فرشتے ہیں جنہیں زمین کے احوال کی تدبیر سپرد کی گئی ہے ہواؤں کا معاملہ ہو، بارش کا معاملہ ہو یا کوئی اور۔ عبدالرحمن بن سابط نے کہا: دنیا کے امور کی تدبیر چار فرشتوں کے ذمہ ہے حضرت جبریل، حضرت میکائیل، ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل اور حضرت اسرافیل۔ جہاں تک حضرت جبریل کا تعلق ہے اس کے ذمہ ہواؤں اور لشکروں کے معاملات ہیں۔ حضرت میکائیل کے ذمہ بارش اور نباتات ہے۔ ملک الموت کے ذمہ خشکی اور تری میں روحوں کو قبضہ کرنا ہے۔ جہاں تک حضرت اسرافیل کا تعلق ہے وہ ان فرشتوں پر اللہ تعالیٰ کا امر لاتے ہیں حضرت اسرافیل سے بڑھ کر کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کے قریب نہیں۔ حضرت اسرافیل اور عرش کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں ایسے امور کا مکلف بنا دیا گیا ہے انہیں جس کی پہچان اللہ تعالیٰ نے کرا دی ہے۔ سورت کے آغاز سے یہاں تک قسمیں ہیں اللہ تعالیٰ نے جن کی قسمیں اٹھائی ہیں اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ مخلوقات میں سے جس کی چاہے قسمیں اٹھائے ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی چیز کی قسم اٹھانا جائز نہیں قسم کا جواب مضمر ہے گویا فرمایا: والنازعات ..... لتبعثن ولتحاسبن۔ جواب قسم اس لیے مضمر کیا گیا کیونکہ سامعین اسے پہچانتے تھے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً۝ (النازعات) کیا اس وقت جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ یہ ان کے اس قول کے جواب میں ہے: ائذا کنا عظاما نخرۃ نبعث تو صرف ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً پر اکتفا کیا گیا۔

ایک قوم نے کہا: جواب قسم اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى۝ (النازعات) اس میں ڈرانے والے کے لیے عبرت

ہے؛ یہ ترمذی ابن علی کا پسندیدہ مذہب ہے یعنی میں نے جو قیامت کا ذکر کیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر کیا ہے یہ سب ڈرنے والوں کے لیے نصیحت ہے لیکن جواب قسم اسی چیز کو بنانا جو سورت میں مذکور ہو ظاہر و باہر ہو اس سے زیادہ مناسب ہے کہ کسی ایسی چیز کو جواب قسم بنایا جائے جو کلام میں مذکور نہ ہو؛ یہ انباری کا قول ہے یہ قبیح ہے کیونکہ قسم اور جواب قسم کے درمیان طویل فاصلہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا جواب قسم هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ ہے کیونکہ معنی تجھ پر واضح ہو چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا جواب يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ ہے یہاں يَوْمَ سے پہلے لام مقدر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہے يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ (النازعات) والنازعات غرقا سجستانی نے کہا: یہ جائز ہے کہ اس میں تقدیر و تاخیر ہو گویا کلام یوں کی گئی فاذاهم بالساهرة والنازعات۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ فاء کے ساتھ کلام کو شروع نہیں کیا جاتا۔ پہلی توجیہ زیادہ مناسب ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جواب قسم یہ ہے کہ جہنمیوں کے دل سخت ہو گئے، ان کی آنکھیں جھکی ہیں يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ کو نصب اس وجہ سے ہے لیکن یہ جواب قسم نہیں۔ زجاج نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے قلوب واجفة یوم ترجف الراجفة۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اذکر کی وجہ سے منصوب ہے اور ترجف کا معنی تضطرب ہے اور راجفه کا معنی مضطربہ ہے۔ عبدالرحمن بن زید نے یہی کہا ہے کہا: اس سے مراد زمین ہے اور رادفه سے مراد قیامت ہے۔ مجاہد نے کہا: راجفه سے مراد زلزلہ ہے۔

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ رادفه سے مراد چیخ ہے۔ مجاہد، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: دونوں سے مراد چیخیں ہیں یعنی دونوں نفخے۔ جہاں تک پہلے نفخہ کا تعلق ہے وہ اللہ کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گا۔ جہاں تک دوسرے نفخے کا تعلق ہے وہ اللہ کے حکم سے ہر چیز کو زندہ کر دے گا۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا''۔ مجاہد نے بھی کہا: رادفه اس وقت ہوگا جب آسمان پھٹ جائے گا، زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں گے اور انہیں ایک ہی بار ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا یہ سلسلہ زلزلہ کے بعد ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: راجفه سے مراد زمین کا حرکت کرنا ہے رادفه سے مراد دوسرا زلزلہ ہے جو زمینوں کو فنا کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ سورۃ النمل کے آخر میں ایسی بحث گزر چکی ہے جو صور پھونکنے کی بحث میں کافی وشافی ہے۔ رجفه کا اصل معنی حرکت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ (المزمل: 14) یہاں رجفه سے مراد صرف حرکت نہیں بلکہ یہ رَجَفَ الرعدُ يَرْجُفُ رَجْفًا و رَجِيفًا سے مشتق ہے یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ آواز اور حرکت کو ظاہر کرے اسی سے اراجیف کا لفظ ہے کیونکہ اس میں آوازیں مضطرب ہوتی ہیں اور لوگ اس میں بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

أَبِالْأَرَاجِيفِ يَا بْنَ اللُّؤْمِ تُوعِدُنِي ... وَفِي الْأَرَاجِيفِ خِلْتُ اللُّؤْمَ الْخَوَرَا

کیا تو ایسے قصائد میں (جو رجز یہ بحر میں کہے گئے ہیں) مجھے دھمکی دیتا ہے اے ملامت کرنے والے! جبکہ میرا خیال تھا کہ ایسے قصائد میں ملامت اور ضعف کا طعنہ ہوگا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رات کا ایک چوتھائی گزر جاتا تو آپ اٹھتے پھر فرماتے: اے لوگو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو راجفہ آچکی رادفہ اس کے پیچھے آرہی ہے موت اپنی سختیوں کے ساتھ آ گئی (1)۔

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ اس روز دل خوفزدہ ہوں گے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے۔ سدی نے کہا: وہ اپنی جگہوں سے ہل جائیں گے اس کی مثل اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ (غافر: 18) جب دل زخرہ تک پہنچ جائیں گے۔ مورج نے کہا: جب دل مضطرب خوفزدہ اور پرسکون نہ ہوں گے۔ مبرد نے کہا: جب دل مضطرب ہوں گے۔ معنی سب کا قریب قریب ہے اس سے مراد کفار کے دل ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: وجف القلب يَجِفُ وَجِيفًا جب وہ پھڑ پھڑا رہا ہو جس طرح یہ لفظ بولا جاتا ہے: وَجَبَ يَجِبُ وَجِيبًا اسی سے وجیف الفرس والناقۃ فی العدو ہے ایجاف کا معنی جانور کو تیز چال پر برانگیختہ کرنا ہے۔ قلوب کو مبتدا کی حیثیت سے رفع دیا گیا اور واجفہ اس کی صفت ہے۔

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ یہ سابقہ مبتدا کی ضمیر ہے جس طرح یہ قول وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ (البقرہ: 221) مومن غلام مشرک سے بہتر ہے۔ خَاشِعَةٌ کا معنی ہے جھکی ہوئی ذلیل ورسوا۔ یہ صورت اس ہولناکی کی وجہ سے ہوگی جسے وہ دیکھ رہی ہوں گی اس کی مثل خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ (المعارج: 44) ہے یعنی یہ بعث کو جھٹلانے والے اور اس کا انکار کرنے والے کہیں گے: جب انہیں کہا جاتا ہے تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا تو وہ انکار کرتے ہوئے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں: کیا ہم اپنی موت کے بعد پہلی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے تو جس طرح ہم موت سے پہلے زندہ تھے اسی طرح پھر زندہ ہو جائیں گے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ (الاسراء) کیا ہم کو نئی مخلوق کی حیثیت سے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجع فلان فی حافرتہ او علی حافرتہ یعنی وہ آدمی جہاں سے آیا تھا وہاں سے ہی واپس چلا گیا؛ یہ قتادہ کا قول ہے؛ ابن اعرابی نے کہا:

أَحافِرَةً علی صَلَعٍ وشَيْبٍ مَعَاذَ اللهِ مِن سَفَهٍ وعارِ

کیا اس گنجے پن اور بالوں کی سفیدی کے بعد میں پہلی حالت کی طرف لوٹ جاؤں گا اس بے وقوفی اور شرمندگی سے اللہ کی پناہ۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجع فلان فی حافرتہ یعنی جس راستہ سے آیا تھا اسی راستہ سے واپس چلا گیا۔ ان کا ضرب المثل میں قول ہے: النقد عند الحافرۃ۔ نقد سبقت کے وقت ہوتا ہے۔ یعقوب نے کہا: پہلے کلمہ پر۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: التقی القوم فاقتتلوا عند الحافرۃ۔ لوگ آپس میں ملے تو انہوں نے ملاقات پر آغاز پر ہی باہم جھگڑا شروع کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حافرۃ کا معنی دنیا ہے یعنی کیا ہم دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے تو ہم بطور زندہ اس طرح صبر کریں گے جس طرح ہم پہلے تھے؛ شاعر نے کہا:

آلَيْتُ لا أَنْساكُمْ فاعْلَمُوا حَتَّى يُرَدَّ النَّاسُ فِي الحافِرَةِ

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث نمبر 2381، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

میں قسم اٹھاتا ہوں! میں تمہیں کبھی بھی نہیں بھولوں گا جان لو یہاں تک کہ لوگوں کو دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حافرہ سے مراد وہ زمین ہے جہاں قبروں کو دفن کر دیا گیا ہو، یہ مخصوص کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ (الطارق) عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ (الحاقہ) معنی یہ ہوگا کیا ہمیں اپنی قبروں میں دوبارہ زندہ کر کے لوٹایا جائے گا؛ یہ مجاہد، خلیل اور فراء کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زمین کو حافرہ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ قدم لگنے کی جگہ ہے جس طرح قدم کو ارض کا نام دے دیا جاتا ہے کیونکہ قدم زمین پر ہوتا ہے معنی اس کا یہ ہوگا کیا ہم موت کے بعد زمین کی طرف لوٹیں گے اور اپنے قدموں پر چلیں گے۔ ابن زید نے کہا: حافرہ سے مراد آگ ہے اور پڑھا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ (النازعات) پھر وہ باری تو بڑے خسارے والی ہوگی۔ مقاتل اور زید بن اسلم نے کہا: یہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: کلام عرب میں حافرہ سے مراد دنیا ہے۔ ابوحیوہ نے اسے حفِرہ پڑھا ہے یہ حافرہ سے ماخوذ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حفرہ سے مراد ایسی زمین ہے جو اپنے مردوں کے جسموں کی وجہ سے بدبودار ہو گی یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: حفرت اسنانہ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کے دانتوں کے ظاہر اور باطن میں میل چڑھ جائے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فی اسنانہ حفر، وقد حفرت تَحْفُرُ حفرا یہ کَتب، یَکْتُب کَتبا کے وزن پر ہے جب اس کی جڑیں خراب ہو جائیں۔ بنو اسد کہا کرتے تھے: فی اسنانہ حفر، وقد حفِرت یہ تعِب، تعبا کی مثل ہے یہ دونوں لغتوں میں سے مروی لغت ہے صحاح میں اسی طرح ہے۔

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ کیا اس وقت جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے۔ کہا جاتا ہے: نخر العظم یعنی بوسیدہ ہو جائے اور ٹوٹ پھوٹ جائے کہا جاتا ہے: عِظَامًا نَّخِرَةً اہل مدینہ، اہل مکہ، اہل شام اور اہل بصرہ نے اسی طرح پڑھا ہے۔ ابو عبید نے اسی کو پسند کیا ہے کیونکہ وہ آثار جن میں ہڈیوں کا ذکر ہوتا ہے ہم نے ان میں غور کیا تو ہم نے نخرہ دیکھا ناخرہ نہ دیکھا۔ ابوعمرو، ان کے بیٹے عبداللہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، ابن زبیر، حمزہ، کسائی اور ابوبکر نے ناخرہ پڑھا۔ فراء، طبری اور ابو معاذ نحوی نے آیات کے سروں کی موافقت کی وجہ سے اسے ہی پسند کیا۔ صحاح میں ہے: ناخرہ اس ہڈی کو کہتے ہیں جس میں ہوا داخل ہو پھر اس سے نکلے تو اس سے آواز نکلے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما بہا ناخر گھر میں کوئی بھی نہیں؛ یہ قول یعقوب نے باہلی سے نقل کیا ہے۔ ابو عمرو بن علاء نے کہا: ناخرۃ اسے کہتے ہیں جو ابھی بوسیدہ نہ ہوا ہو تا ہم اس کا بوسیدہ ہونا ضروری ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ناخرہ سے مراد جو اندر سے خالی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ دونوں لغتیں ایک معنی میں ہیں اسی طرح عرب کہتے ہیں: نخر الشیٔ فھو ناخر ونخر جس طرح اس فعل سے اسم فاعل کا صیغہ ذکر کرتے ہیں طمع فھو طَمِعٌ و طامِعٌ، حذِرٌ و حاذِرٌ، بَخِلٌ و بَاخِلٌ، فَرِہٌ و فارہٌ۔

بعض تفاسیر میں ہے: جب ناخرہ کا لفظ ہو تو معنی بوسیدہ ہے اور جب نخرہ ہو تو اس کا معنی ہے ہوا اس میں سے گزرتی ہے۔ یہ پہلے معنی کے برعکس ہے ہمدانی نے قادسیہ کے موقع پر کہا تھا: من بعد ما صرت عظاما ناخرہ اس کے بعد میں بوسیدہ ہڈیاں ہو چکا ہوں گا۔ بعض نے کہا: ناخرہ اسے کہتے ہیں جس کی اطراف کھائی جا چکی ہوں اور اس کا درمیانی حصہ باقی ہو

نخرۃ اسے کہتے ہیں جو مکمل خراب ہو چکی ہو۔ مجاہد نے کہا: نخرۃ سے مراد ہے جو ریزہ ریزہ ہو چکا ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عِظَامًا وَّ رُفَاتًا (الاسراء: 49) ریزہ ریزہ ہڈیاں۔ نخرۃ الریح ہوا کا تیز چلنا۔ نُخْرۃ اور نُخَرۃ میں وہی مناسبت ہے جو ہمزہ میں میم کو سکون اور ضمہ دینے کی صورت میں ہے یہ گھوڑے، گدھے اور خنزیر کے ناک کا اگلا حصہ ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھشم نخرتہ یعنی اس کی ناک کو توڑ دیا۔

قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ۞ انہوں نے کہا: وہ تو خسارے والا لوٹنا ہوگا یہ محض لوٹنے کی طرح نہیں ہوگا؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء کی رائے ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: جس نے اس کو جھٹلایا تھا اس کے لیے نقصان کا باعث ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خسارے کی باری ہوگی معنی یہ ہے اس باری والے خسارہ پانے والے ہوں گے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: تجارۃ رابحۃ یعنی تجارت کرنے والا نفع اٹھانے والا ہوگا۔ اس باری سے بڑھ کر کوئی چیز خسارہ دینے والی نہ ہوگی وہ جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔ قتادہ اور محمد بن کعب نے کہا: اگر ہم موت کے بعد زندہ لوٹے تو ہمیں آگ میں جمع کیا جائے گا انہوں نے یہ بات اس لیے کی تھی کیونکہ انہیں آگ کی دھمکی دی گئی تھی کرّ کا معنی لوٹنا ہے یہ کہا جاتا ہے کرّہ اور کرّ پہلا فعل متعدی ہے اور دوسرا لازم ہے کرّہ کا معنی ایک بار اور اس کی جمع کرات ہے۔

فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ۞ اللہ تعالیٰ نے اس امر کا ذکر کیا ہے کہ اس پر دوبارہ اٹھانا آسان ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نفخۃ واحدۃ قراءت نقل کی ہے۔

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ۞ سب مخلوق روئے زمین پر ہوگی جبکہ پہلے وہ زمین کے اندر تھی۔ فراء نے کہا: اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ اس میں حیوان سوتا اور جاگتا ہے عرب کھلے میدان اور اس کی زمین کو ساھرۃ کہتے ہیں یہ نسبت کا معنی دے رہا ہے کیونکہ ایسی زمین میں خوف کی وجہ سے جاگا جاتا ہے تو اس زمین کی ایسی صفت بیان کردی جو اس چیز کی صفت تھی جو اس میں ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس اور مفسرین نے امیہ بن ابی صلت کے قول سے استدلال کیا ہے:

وفیھا لحمُ ساھِرۃٍ وبحرٌ

صحاح میں ہے: یوں قول کیا جاتا ہے ساھور یہ زمین کا سایہ ہے اور ساھرۃ سے مراد روئے زمین ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ۞ (النازعات) اور کہا جاتا ہے: الساھور جس طرح چاند کا غلاف ہوتا ہے جب اسے گرہن لگتا ہے تو وہ اس غلاف میں داخل ہو جاتا ہے انہوں نے امیہ بن ابی صلت کا شعر پڑھا:

قمرٌ وساھورٌ یُسَلّ ویُغْمَدُ

چاند اور سایہ کبھی اسے سونتا جاتا ہے اور کبھی اس سایہ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ ساھرۃ سے مراد سفید زمین ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: وہ چاندی کی زمین ہوگی اس پر کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی گئی ہوگی اس وقت اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ ایسی زمین ہے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے نئے سرے سے بنائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ساھرۃ سے مراد

ساتویں زمین کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ لائے گا اور اس پر مخلوق کا حساب لے گا۔ یہ اس وقت ہوگا جب زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا۔ ثوری نے کہا: ساھرۃ سے مراد شام کا علاقہ ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا: یہ بیت المقدس کا پہاڑ ہے عثمان بن ابی عاتکہ نے کہا: یہ شام میں ایک مخصوص جگہ کا نام ہے یہ اریحاء اور حسان پہاڑوں کے درمیان کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ جتنا چاہے گا اسے پھیلا دے گا۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد جہنم ہے یعنی اچانک یہ کفار جہنم میں ہوں گے۔ اسے ساھرۃ کہا گیا ہے کیونکہ اس وقت وہ لوگ اس پر نہ سوئیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ساھرۃ سے مراد جہنم کے کنارے صحراء ہے یعنی وہ قیامت کے دن زمین پر ٹھہریں گے تو اس وقت ہمیشہ کی بیداری ہوگی۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: ساھرۃ سے مراد ہموار زمین ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں سراب چلتا ہے یہ عربوں کے قول: عین ساھرۃ سے ماخوذ ہے ایسا چشمہ جس کا پانی چلتا رہتا ہو اس کی ضد نائم ہے۔

یا اس وجہ سے اسے ساھرۃ کہتے ہیں کیونکہ اس پر چلنے والا ہلاکت کے خوف سے نہیں سوتا۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۱۵ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۶ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۱۷ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى ۝۱۸ وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝۱۹ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝۲۰ فَكَذَّبَ وَ عَصٰى ۝۲۱ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝۲۲ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝۲۳ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝۲۴ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ۝۲۵ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۲۶

"(اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو موسیٰ کی خبر؟ جب ان کے رب نے انہیں طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا (کہ) جاؤ فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے پس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے اور (کیا تو چاہتا ہے) میں تیری راہبری کروں تیرے رب کی طرف تاکہ تو (اس سے) ڈرنے لگے۔ پس آپ نے (جاکر) اسے بڑی نشانی دکھائی، پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی پھر روگرداں ہو کر فتنہ انگیزی میں کوشاں ہو گیا، پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا اور کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، آخرکار جتلا کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور (دنیا کے) دوہرے عذاب میں۔ بے شک اس میں بڑی عبرت ہے اس کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے"۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ یعنی آپ تک وہ خبر آچکی ہے اور پہنچ چکی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی کا باعث ہے کیونکہ فرعون آپ کے زمانہ کے کفار سے زیادہ قوی تھا پھر ہم نے اسے پکڑ لیا اسی طرح یہ لوگ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هَلْ بمعنی ما ہے وہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی ہے: اس میں ڈرنے والوں کے لیے عبرت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا

واقعہ کئی مواقع پر گزر چکا ہے جو کافی وشافی ہے۔ طُوًی میں تین قرائتیں ہیں۔ ابن محیصن، ابن عامر اور کوفیوں نے طوی کو تنوین سے پڑھا ہے۔ ابو عبید نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ اس میں تخفیف ہے باقی قراء نے تنوین کے بغیر پڑھا ہے کیونکہ یہ معدول ہے جس طرح عُمر اور قُثم ہے۔ فراء نے کہا: طوی، مدینہ طیبہ اور مصر کے درمیان ایک وادی ہے کہا یہ طاوٍ سے معدول ہے جس طرح عامر سے عمر معدول ہے۔ حضرت حسن بصری اور عکرمہ نے طاء کے کسرہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے اور ابو عمرو سے بھی یہی مروی ہے معنی یہ ہے کہ وہ وادی یکے بعد دیگرے مقدس بنائی گئی ہے؛ یہ زجاج نے کہا اور شعر پڑھا:

أَعَاذِلَ إِنَّ اللومَ فِي غيرِ كنهِهِ   عليَّ طِوًى مِن غَيِّكِ المترَدِّدِ

اے مجھے ملامت کرنے والے! بے شک بغیر وجہ کے میری بار بار ملامت تیری متردد سرکشی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: طاء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ دو لغتیں ہیں اس بارے میں گفتگو سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ⑰ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے رب نے انہیں ندا کی کہ فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی کی ہے تو کلام سے ایک جز کو حذف کر دیا گیا کیونکہ ندا بھی ایک قول ہے گویا ان کے رب نے انہیں ارشاد فرمایا: فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی کی۔ یعنی اس نے نافرمانی میں حد سے تجاوز کیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ فرعون ہمدان کا رہنے والا چھوٹے قد کا مضبوط آدمی تھا۔ مجاہد نے کہا: اصطخر کا رہنے والا تھا۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ اصفہان کا رہنے والا تھا جسے ذوظفر کہتے ہیں۔ اس کی لمبائی چار بالشت تھی۔

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى ⑱ کیا تو خواہش رکھتا ہے کہ تو اسلام لائے اور گناہوں سے اپنے آپ کو پاک کرے۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: کیا تو خواہش رکھتا ہے کہ تو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دے؟

وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ⑲ میں تیری تیرے رب کی اطاعت کی طرف راہنمائی کروں تو تو اس سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے۔ نافع اور ابن کثیر نے تَزَّكّٰى پڑھا ہے کہ تاء کو زاء میں مدغم کر دیا گیا کیونکہ یہ اصل میں تتزکی تھا۔ باقی قراء نے اسے تزکی پڑھا ہے معنی ہوگا تو پاکیزہ مومن بنے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعا دی کہ وہ پاکیزہ مومن بن جائے۔ کہا: اس وجہ سے ہم نے تخفیف کو اختیار کیا ہے۔ صخر بن جویریہ نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو حضرت موسیٰ کو فرمایا: اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: میں اس کے پاس کیسے جاؤں جبکہ تو جانتا ہے کہ وہ اس طرح نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ تجھے جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کر بے شک آسمان میں بارہ ہزار فرشتے ہیں جو تقدیر کے علم کے خواہش مند ہیں وہ اس تک نہیں پہنچے اور نہ ہی اس کا ادراک کر سکے۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ⑳ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے بڑی نشانی دکھائی یہ معجزہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے عصا مراد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے ید بیضاء مراد ہے جو سورج کی طرح چمکتا تھا۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ آیۃ کبری سے مراد عصا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد ید بیضاء اور عصا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد سمندر کا پھٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: آیۃ سے مراد تمام نشانیاں اور معجزات ہیں۔

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝ اس نے اللہ کے نبی حضرت موسیٰ کو جھٹلایا اور اپنے رب کی نافرمانی کی پھر ایمان سے اعراض کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لی اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سزا دینے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ سانپ دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ اس نے اپنے ساتھیوں کو بلایا تا کہ وہ اسے سانپ سے بچائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس نے جنگ کرنے کے لیے اپنے لشکروں کو جمع کیا اور مقابلہ کے لیے جادوگروں کو جمع کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس نے لوگوں کو جمع کیا اس نے لوگوں کو بلند آواز سے ندا دی: میں تمہارا بڑا رب ہوں میرے اوپر کوئی تمہارا رب نہیں۔ یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ ابلیس نے فرعون کے سامنے انسان کی صورت بنائی جب کہ وہ مصر میں ایک حمام میں تھا فرعون نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ابلیس نے اسے کہا: تجھ پر افسوس! کیا تو مجھے نہیں پہچانتا؟ فرعون نے کہا: نہیں۔ شیطان نے کہا: تو کیسے مجھے نہیں پہچانتا جبکہ تو نے مجھے تخلیق کیا ہے؟ کیا تو نے یہ نہیں کہا تھا: میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ ثعلبی نے یہ واقعہ کتاب العرائس میں ذکر کیا۔

عطا نے کہا: فرعون نے ان کے لیے چھوٹے بت بنائے اور ان کی عبادت کا حکم دیا اور کہا: میں تمہارے بتوں کا رب ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے قائدوں اور سرداروں کا ارادہ کیا ہے وہ ان کا مالک تھا اور وہ اپنے ماتحت لوگوں کے مالک تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر کلام اس طرح ہے فنادی فحشر کیونکہ بلانا جمع کرنے سے پہلے ہوا۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ اس کا پہلا قول **مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ** (القصص: 38) میں اپنے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں پاتا۔ اس کا دوسرا قول ہے: **اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝** (النازعات) میں تمہارا بڑا رب ہوں؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد اور عکرمہ کا نقطہ نظر ہے ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے معنی یہ بنا پہلی بات پر مہلت دی اور دوسری پر اسے پکڑ لیا اور دونوں پر عذاب دیا۔ مجاہد نے کہا: یہ اس کی پہلی عمر اور آخری عمر کا عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا دوسرا قول **اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى** ہے اور پہلا قول اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلانا ہے؛ یہ قتادہ سے بھی مروی ہے۔

نَكَالَ زجاج کے قول کے مطابق مفعول مطلق ہے تاکید کے لیے ہے۔ کیونکہ **فَاَخَذَهُ اللّٰهُ** کا معنی ہے نکل اللہ بہ۔ یہاں نکال کا لفظ ذکر کیا کیونکہ یہ مذکورہ فعل کے مصدر کا معنی دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حرف جار کے حذف کی وجہ سے اسے نصب دی اصل کلام یوں تھی فاخذہ اللہ بنکال الآخرۃ۔ جب حرف جار کو حذف کر دیا گیا تو اسے نصب دی گئی۔ فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کو عبرتناک انداز میں پکڑا اور نکال اس کا نام ہے جس کو دوسروں کے لیے عبرت بنایا گیا ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: نکل فلان بفلان۔ جب اسے سزا دے کر عمل سے روک دیا۔ کلمہ میں امتناع کا معنی پایا جاتا ہے اس سے قسم سے انکار کرنا ہے اور بیڑی کو نکل کہتے ہیں۔ سورۂ مزمل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ﴿۲۶﴾ جو آدمی ڈرتا ہے اس کے لیے اس میں عبرت ہے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَ اَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

''کیا تمہیں پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا، اس نے اسے بنایا۔ اس کی چھت کو خوب اونچا کیا پھر اس کو درست کیا اور تاریک کیا اس کی رات کو اور ظاہر کیا اس کے دن کو اور زمین کو بعد ازاں بچھا دیا۔ نکالا اس نے اس کا پانی اور اس کا سبزہ اور پہاڑ (اس میں) گاڑ دیئے سامان زینت ہے تمہارے لیے اور تمہارے مویشوں کے لیے''۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ اس سے مراد اہل مکہ ہیں کیا تمہارے اندازے کے مطابق تمہاری موت کے بعد تمہیں پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کو پیدا کرنا مشکل ہے پس جو آسمان پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (غافر: 57) آسمانوں اور زمین کی تخلیق لوگوں کی تخلیق سے بڑھ کر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (یاسین: 81) کیا وہ ذات پاک جو آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمانے والی ہے وہ اس بات پر قادر نہیں کہ وہ ان کی مثل کو پیدا کرے۔ اس کلام کا مقصود تقریع و توبیخ ہے پھر آسمان کی صفت بیان کی۔

بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا آسمان کو تم پر اس طرح بلند کیا جس طرح کوئی عمارت بنائی جاتی ہے اس کی چھت کو فضا میں بلند کر دیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: سمکت الشئ یعنی میں نے اسے ہوا میں بلند کیا اور سمك الشئ سموکا وہ چیز بلند ہوگئی۔ فراء نے کہا: ہر وہ شی جو کسی دوسری چیز کو اگائے وہ عمارت ہو یا کوئی اور چیز تو دوسری چیز کو سمك کہتے ہیں اس طرح یوں کہا جاتا ہے: بناء مسموك اونچی عمارت۔ سنام سامك تامك اونچی کوہان۔ مسموکات یعنی آسمان۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اسمك فی الریم سیڑھی اوپر چڑھ۔

فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ اس کی بناوٹ کو برابر کیا اس میں کوئی کجی، کوئی پھٹن اور سوراخ نہیں۔

وَ اَغْطَشَ لَیْلَهَا اس کی رات کو تاریک کر دیا جس طرح کہتے ہیں: غطش اللیل رات تاریک ہوگئی أغطشه الله۔ اللہ تعالیٰ نے اسے تاریک کر دیا، جس طرح تو کہتا ہے: ظلم اللیل و أظلمه الله یوں بھی جملہ بولا جاتا ہے: أغطش اللیل اور أغطشه الله، جس طرح یوں کہا جاتا ہے: أظلم اللیل اور أظلمه الله۔ غطش اور غبش کا معنی تاریکی ہے۔ رجل أغطش۔ اندھا آدمی یا اندھے جیسا، اسی طرح قد غطش بھی کہتے ہیں وہ اندھا ہے۔ المرأة غطشاء عورت اندھی ہے، اسی طرح یہ کہا جاتا ہے: لیلة غطشاء و لیل اغطش۔ تاریک رات۔ فلاة غطشی لا یهتدی لها۔ ایسا بیابان جس کا کوئی راستہ نہ ہو۔ اعشی نے کہا:

وغامرهم مدلهم غطش

ان کی تاریک رات ان کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ رات کی نسبت آسمان کی طرف کی کیونکہ رات سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہوتی ہے اور سورج کو آسمان کی طرف مضاف کیا جاتا ہے یوں کہا جاتا ہے: نجوم اللیل کیونکہ ان کا ظہور رات کے وقت ہوتا ہے۔

وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا۞ اس کے دن کو روشن اور سورج کو ظاہر کیا ضُحٰىهَا کی نسبت آسمان کی طرف کی جس طرح رات کی نسبت اس کی طرف کی کیونکہ اس میں تاریکی اور روشنی کا سبب ہے، یہ سورج کا غروب وطلوع ہے۔

وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا۞ یعنی اسے پھیلا دیا۔ یہ آیت اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے زمین کی تخلیق آسمان کی تخلیق کے بعد ہوئی اس کے بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ میں هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استوی الی السماء کے تحت گزر چکی ہے عرب کہتے ہیں: دحوت الشیٔ أدحوہ دحوًا۔ جب تو اسے پھیلائے، شتر مرغ کے گھونسلے کو ادحی کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین پر پھیلایا گیا ہوتا ہے؛ امیہ بن ابی صلت نے کہا:

وبثَّ الخلقَ فیها إذ دحاها فهُمْ قُطّانُها حتی التنادِی

جب زمین کو پھیلا دیا تو اس میں مخلوق کو پھیلا دیا پس یہ روز قیامت تک اس کے مکین ہیں۔

مبرد نے یہ شعر پڑھا ہے:

دحاها فلما رآها استوت علی الماءِ أرسی علیها الجِبالَ

زمین کو پھیلایا جب اسے دیکھا کہ وہ پانی پر قرار پکڑ گئی ہے تو اس پر پہاڑوں کو گاڑ دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: دَحٰىهَا کا معنی ہے برابر کرنا۔ زید بن عمرو کا قول ہے:

دحاها فلما استوت شدَّها بأیْدٍ وأرسیٰ علیها الجبال

اسے ہموار کیا جب وہ ہموار ہو گئی تو اسے ہاتھوں کے ساتھ مضبوط کیا اور اس پر پہاڑوں کو گاڑ دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے: اللہ تعالیٰ نے دنیا کو تخلیق کرنے سے ایک دو ہزار سال پہلے کعبہ بنایا اور چار ستونوں پر اسے پانی پر رکھا پھر بیت اللہ شریف کے نیچے سے زمین کو پھیلایا۔ بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ بعد کا لفظ مع کے معنی میں ہے گویا فرمایا: اس کے ساتھ ہی زمین کو پھیلا دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ۞ (القلم) اس آیت میں بھی بعد، مع کے معنی میں ہے اس معنی میں عربوں کا قول ہے: أنت احمق وأنت بعد هذا سیئ الخلق تو احمق ہے ساتھ ہی ساتھ بداخلاق ہے؛ شاعر نے کہا:

فقلت لها عَنّی إلیکِ فإنّنِی حَرَامٌ وإنّی بعد ذلك لَبیبٌ

میں نے اسے کہا: تو مجھ سے دور ہو جا بے شک میں محروم ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ میں دانشمند ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَعْدَ، قبل کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ (الانبیاء: 105) اس آیت میں بعد کا لفظ پہلے کی معنی میں ہے، ابو خراش ہذلی نے کہا:

حمدت إلهي بعد عروة إذ نجا خراش و بعض الشر أهون من بعض

میں نے عروہ سے پہلے اپنے اللہ کی حمد کی کیونکہ خراش نجات پا چکا تھا بعض مصیبتیں دوسروں سے آسان ہوتی ہیں۔

لوگوں کا خیال ہے: خراش نے عروہ سے پہلے نجات پائی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ دَحٰىهَا کا معنی ہے اس میں ہل چلایا اور اس کو پھاڑا؛ یہ ابن زید کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اسے خوراک کے لیے تیار کیا۔ معنی قریب قریب ہے۔ عام قراء کی قراءت نصب کے ساتھ ہے یعنی دحا الأرض۔ حضرت حسن بصری اور عمرو بن میمون نے الأرض کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ ضمیر اس کی طرف لوٹتی ہے۔ یوں باب ذکر کیا جاتا ہے دَحَا یَدْحُو دَحْوًا، دَحَی یَدْحِی دَحْیًا جس طرح طَغَی یَطْغَی، یَطْغُو اور طَغَی یَطْغِی ہے اسی طرح مَحَا یَمْحُو، یَمْحَی اسی طرح لَحَی العودَ یَلْحَی دیَلْحُو جس نے مضارع کا صیغہ یدحو کہا وہ دحوتُ کہتا ہے اور جو یدحی کہتا ہے وہ دحیتُ کہتا ہے۔

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ هاء ضمیر سے مراد زمین ہے مَآءَهَا سے مراد وہ چشمے ہیں جو پانی سے پھوٹتے ہیں مرعا سے مراد وہ نباتات ہیں جن کو چرا جاتا ہے۔ قتبی نے کہا: ان دو چیزوں کے ساتھ ان تمام چیزوں پر دلالت ہوگی جن کو زمین نکالتی ہے خواہ وہ انسانوں کی خوراک ہو یا چوپاؤں کا چارہ ہو جیسے گھاس، درخت، دانا، کھجور، بھوسہ، ایندھن، لباس، آگ اور نمک کیونکہ آگ لکڑیوں سے ہوتی ہے اور نمک پانی سے ہوتا ہے۔

وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ عام لوگوں کی قراءت والجبال ہے معنی ہوگا پہاڑوں کو گاڑھا اور انہیں زمین میں اس کی میخوں کے طور پر ثبت کیا۔ حضرت حسن بصری، عمرو بن میمون، عمرو بن عبید اور نصر بن عاصم نے والجبال پڑھا ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ یہ سوال کیا جائے گا: اخرج سے پہلے حرف عطف کیوں نہ داخل کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا: یہ قد کے مضمر ہونے کے ساتھ حال ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ (النساء:90) تنگ ہو چکے ہوں ان کے سینے۔ یہاں بھی قد مضمر ہے۔

مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ تمہاری منفعت کے لیے اور تمہارے اونٹوں، گائیوں اور بھیڑ بکریوں کی منفعت کے لیے۔ مَتَاعًا یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے اور یہ مفعول مطلق ہے جو مذکورہ فعل کے الفاظ پر نہیں کیونکہ اخرجہا کا معنی ہے اس سے تمہیں لطف اندوز کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حرف جار کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾

''پھر جب آئے گی سب سے بڑی آفت، اس دن انسان یاد کرے گا جو دوڑ دھوپ اس نے کی تھی اور ظاہر کر دی جائے گی جہنم ہر دیکھنے والے کے لیے''۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ طامة کبریٰ سے مراد بڑی مصیبت ہے۔ اس سے مراد دوسرا نفحہ ہے جس کے ساتھ دوبارہ اٹھانا ہوگا؛ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت نقل کی ہے۔ حضرت حسن بصری کا قول بھی یہی ہے۔

حضرت ابن عباس اور ضحاک سے یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد قیامت ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کہ وہ ہر چیز پر غالب آجائے گی یہ اپنی ہولناکی کی وجہ سے ہر دوسری مصیبت پر چھا جائے گی عربوں کی امثال میں سے ایک یہ بھی ہے:

جری الوادی فطمّ علی القری وادی بھی یہاں تک کہ اپنی گزرگاہ سے باہر نکل آئی۔

مبرد نے کہا: عربوں کے ہاں طامہ اس مصیبت کو کہتے ہیں جس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہوتی عربوں کی امثلہ میں سے میں نے چند اخذ کی ہیں وہ کہتے ہیں: طم الفرس طمیما یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ دوڑنے میں اپنی ساری کوشش صرف کر دے۔ طم الماء یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ پوری نہر کو بھر دے۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: طم السیل الرکیۃ۔ سیلاب نے کنویں کو دفن کر دیا۔ طم کا معنی دفن کرنا اور غالب آنا ہے قاسم بن ولید ہمدان نے کہا: طامہ کبری سے مراد یہ ہے جب جنتیوں کو جنت اور جہنمیوں کو جہنم کی طرف نہ روکا جائے گا۔ مجاہد کے قول کا بھی یہی معنی ہے۔ سفیان نے کہا: اس سے مراد وہ ساعت ہے جس وقت جہنمیوں کو زبانیہ کے حوالے کیا جائے گا یعنی ایسی مصیبت جو غالب آجاتی ہے اور بڑی ہو جاتی ہے۔ شاعر نے کہا:

إنّ بعض الحبّ يُعْمِي ويصِمّ وكذلك البغضُ أَدْهَى وأَطَمّ

بعض محبتیں انسان کو اندھا بہرہ بنا دیتی ہیں اسی طرح بغض ہر چیز پر غالب آجاتا ہے۔

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعٰى ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۝ اس نے جو اچھا یا برا عمل کیا ہوگا اسے یاد کرے گا اور ہر دیکھنے والے کے لیے جہنم ظاہر کر دی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس جہنم سے پردہ ہٹا دیا جائے گا اسے ہر آنکھ والا بھڑکتا ہوا دیکھے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد کافر ہے کیونکہ وہ جہنم میں عذاب کی انواع کو دیکھے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومن اسے دیکھے گا تاکہ وہ نعمت کی قدر کو پہچانے اور کافر آگ میں داخل ہو۔ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ کا جواب محذوف ہے یعنی جب بڑی مصیبت آجائے گی تو جہنمی جہنم میں اور جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ مالک بن دینار نے وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ پڑھا ہے عکرمہ اور دوسرے قراء نے ولمن تری پڑھا ہے یعنی جہنم جسے دیکھے گی یا اے محمد! جسے تو دیکھے گا خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد لوگ ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝

''پس جس نے سرکشی کی ہوگی اور ترجیح دی ہوگی دنیوی زندگی کو تو دوزخ میں اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ جو ڈرتا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور اپنے نفس کو روکتا رہا ہوگا ہر بری خواہش سے، جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا''۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ طغیان سے مراد ہے نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت نضر اور اس کے بیٹے حارث کے حق میں نازل ہوئی یہ ہر اس کافر کو عام ہے جس نے دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی۔ یحییٰ بن کثیر سے مروی ہے: جس نے ایک کھانے میں تین قسم کے کھانے تیار کیے تو اس نے سرکشی کی۔ جویبر نے ضحاک سے

روایت نقل کی ہے کہ حضرت حذیفہ نے کہا: اس امت کے بارے میں جس چیز سے میں زیادہ خوف محسوس کرتا ہوں کہ وہ دیکھی ہوئی چیز کو جانی گئی، چیز پر ترجیح دیں گے۔ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ کتابوں میں یہ چیز پائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میرا کوئی بندہ اپنی دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دیتا مگر اس پر اس کے غم اور چیزوں کا ضیاع عام کر دیا جاتا ہے پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس میں ہلاک ہوا۔

فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی ۝ الْمَاْوٰی میں الف لام مضاف الیہ ھاء کے عوض میں ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وہ اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا۔ ربیع نے کہا: مراد ہے قیامت کے روز اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا۔ قتادہ کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک ایسا مقام ہے مومن جس سے ڈرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ دنیا میں ذنب کے مواقع پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور گناہوں کا قلع قمع کرتا ہے، اس کی مثل وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ (الرحمن) جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ۝ جس نے معاصی اور محارم سے اپنے نفس کو روکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''خواہش نفس کو ترک کرنا جنت کی چابی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ۝''

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں حق خواہش نفس کی قیادت کرتا ہے اور عنقریب ایسا زمانہ آئے گا جس میں خواہش نفس حق کی قیادت کرے گی، ہم ایسے زمانہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی ۝ ماوی سے مراد منزل ہے۔ یہ دونوں آیتیں حضرت مصعب بن عمیر اور ان کے بھائی کے حق میں نازل ہوئیں۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: جس نے سرکشی کی اس سے مراد حضرت مصعب بن عمیر کا بھائی ہے جو غزوۂ بدر کے موقع پر گرفتار ہوا انصار نے اسے پکڑ لیا۔ انصار نے اس سے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا: میں مصعب بن عمیر کا بھائی ہوں صحابہ نے اس کی مشکیں نہ باندھیں اس کی عزت کی اور اپنے ہاں رات ٹھہرایا جب صبح ہوئی تو صحابہ نے حضرت مصعب بن عمیر سے اس کا ذکر کیا تو حضرت مصعب نے کہا: وہ میرا بھائی نہیں اپنے قیدی سے سختی کرو کیونکہ وادی میں اس کی والدہ کے پاس سب سے زیادہ زیور اور مال ہے۔ صحابہ نے اس کی مشکیں کس دیں یہاں تک کہ اس کی ماں نے اس کا فدیہ بھیج دیا۔ جہاں تک ڈرنے والے کا تعلق ہے تو اس سے مراد حضرت مصعب بن عمیر ہیں جنہوں نے غزوۂ احد کے موقع پر اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا جب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور چلے گئے تھے یہاں تک کہ تیر آپ کے پیٹ سے آر پار ہو گئے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خون میں لت پت دیکھا فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تیرے لیے اجر کی آرزو رکھتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ''میں نے حضرت مصعب کو دیکھا جبکہ ان پر دو چادریں تھیں جن کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ان کے جوتوں کے تسمے سونے کے ہیں''۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت مصعب نے غزوۂ بدر کے موقع پر اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت دو آدمیوں ابو جہل بن ہشام مخزومی اور حضرت مصعب بن عمیر

عبدی کے حق میں نازل ہوئی۔ سدی نے کہا: یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کا ایک غلام تھا جو کھانا لاتا تھا آپ اس سے پوچھتے تھے: تو اسے کہاں سے لایا ہے؟ ایک روز وہ کھانا لایا حضرت ابو بکر صدیق نے اس سے نہ پوچھا اور کھانا کھالیا۔ غلام نے آپ سے پوچھا: آج آپ نے مجھ سے کیوں نہیں پوچھا؟ فرمایا: میں بھول گیا تھا تو یہ کھانا کہاں سے لایا تھا؟ غلام نے بتایا: دور جاہلیت میں میں نے کچھ لوگوں سے کہانت کی تھی انہوں نے یہ کھانا مجھے دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اس وقت قے کر دی۔ ساتھ ہی یہ عرض کی: اے میرے رب! رگوں میں جو کچھ باقی ہے تو نے اسے روک لیا ہے (1)۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ۔

کلبی نے کہا: یہ آیت اس آدمی کے حق میں نازل ہوئی جس نے گناہ کا ارادہ کیا خلوت میں اس پر قادر ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اسے ترک کر دیا، اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جو نافرمانی کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا (2)۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿٤٢﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿٤٥﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿٤٦﴾

''یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے آپ ضرور خبردار کرنے والے ہیں ہر اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہے۔ گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح''۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿٤٢﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مکہ مکرمہ کے مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مذاق کے انداز میں سوال کیا: قیامت کب برپا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت عروہ بن زبیر نے اس آیت کی تفسیر میں روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لگاتار قیامت کے بارے میں سوال کرتے رہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾۔

مُرْسٰىهَا کا معنی اس کا قائم ہونا ہے۔ فراء نے کہا: رسوها کا معنی اس کا قیام ہے جس طرح کشتی ٹھہرتی ہے۔ ابو عبید نے کہا: اس کا معنی اس کی انتہا ہے کیونکہ مرسی السفينة اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کشتی لنگر انداز ہوتی ہے؛ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: اس کا کون سا زمانہ ہے؟ معنی قریب قریب ہے۔ سورۃ الاعراف میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت برپا نہیں ہوگی مگر ایک غصہ کے

1۔ حلیۃ الاولیاء، جلد 1، صفحہ 31 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 453

ساتھ جو تیرا رب فرمائے گا"۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھے کیا پڑی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا ذکر کریں یا اس کے بارے میں سوال کریں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بارے میں سوال نہیں کرنا چاہیے۔ یہی وہ معنی ہے جو زہری نے حضرت عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لگاتار قیامت کے بارے میں سوال کرتے رہے یہاں تک کہ یہ آیات نازل ہوئیں۔ یعنی تیرے رب کے پاس اس کی انتہا ہے گویا جب مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں بہت زیادہ سوال کیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں سوال کیا تا کہ اسے پہچان لیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوال نہ کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ مشرکوں کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار ہو جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، یعنی آپ کو اس سے کیا غرض یہاں تک کہ وہ اس کی وضاحت آپ سے پوچھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو اس کا علم رکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ذکریٰ، ذکر کے معنی میں ہے اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ۝ یعنی اس کے علم کی انتہا تیرے رب کے پاس ہے قیامت کے وقوع کا علم کسی اور کے پاس نہیں یہ آیت بھی اسی طرح ہے جس طرح یہ ارشاد ہے: قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ (الاعراف: 187) فرما دیجئے: اس کا علم میرے رب کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان: 34) بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے۔

اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ۝ مُنْذِرُ کا معنی ڈرانے والا ہے۔ ڈرانے کو ڈرنے والے کے ساتھ خاص کیا کیونکہ وہی اس سے نفع حاصل کرتا ہے اگرچہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر کسی کو خبردار کرنے والے ہیں، یہ آیت بھی اسی طرح ہے جس طرح یہ ارشاد ہے: اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (یاسین: 11) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خبر کرنے والے ہیں جو ذکر کی اتباع کرے اور بن دیکھے رحمن سے ڈرے۔ عام قراء کی قراءت منذر تنوین کے بغیر اضافت کے ساتھ ہے مقصود تخفیف ہے ورنہ اصل میں تو اس کے آخر میں تنوین ہے، کیونکہ یہ مستقبل کے معنی میں ہے کیونکہ جب یہ ماضی کا معنی دے تو اس پر تنوین نہیں آتی۔ فراء نے کہا: تنوین اور اس کا ترک دونوں طرح جائز ہے جس طرح اس میں دونوں قراءتیں جائز ہیں بالغٌ أمرہ، بالغُ أمرہ، موھنٌ کید الکافرین، موھنُ کید الکافرین تنوین ہی اصل ہے۔ ابو جعفر، شیبہ، اعرج، ابن محیصن، حمید اور عیاش نے ابو عمرو سے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے معنی یہ ہوگا تیرے خبردار کرنے سے وہ نفع حاصل کرے گا جو قیامت سے ڈرتا ہے۔ ابو علی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ اضافت ماضی کے لیے ہو جس طرح ضارب زید أمس کیونکہ وہ خبردار کر چکا تھا۔ یہ آیت ان افراد کا رد کر رہی ہے جنہوں نے یہ کہا: احوال آخرت غیر محسوس ہیں، یہ صرف روح کی راحت اور اس کا دکھ ہے کسی قسم کا احساس نہیں ہوگا۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝ گویا کفار جس وقت وہ قیامت کو دیکھیں گے وہ کہیں گے: وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر ایک رات بھر یا دن بھر وہ دن جو اس رات کے ساتھ ملا ہوا ہے مراد قلیل مدت کا اظہار ہے، جس طرح یہ فرمایا: لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ (الاحقاف: 35) وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کی ایک گھڑی۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: گویا جب وہ اسے دیکھیں گے تو وہ کہیں گے: وہ اس میں نہیں ٹھہرے مگر ایک دن۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قبروں میں نہیں ٹھہرے مگر ایک رات یا اس کا دن۔ گویا جب وہ اس کی ہولناکی کو دیکھیں گے تو وہ قبروں میں ٹھہرنے کی مدت کو قلیل جانیں گے۔ فراء نے کہا: کہنے والا کہے گا کیا اس رات کی چاشت بھی ہے؟ ضحادن کے ابتدائی حصہ کو کہتے ہیں لیکن ضحا کو عشیہ کی طرف مضاف کیا اس سے مراد وہ دن ہوتا ہے جس میں وہ آدمی ہوتا ہے۔ عربوں کی عادت یہی ہوتی ہے وہ یوں کہتے ہیں: آتیك الغداة أو عشيتها، آتيك العشية أو غداتها اس میں عَشِيَّةً کا لفظ دن کا آخری حصہ ہوتا ہے اور غداة دن کا پہلا پہر ہوتا ہے۔

بنی عقیل کے ایک آدمی نے مجھے یہ سنایا: عشية الهلال أو سرارها (1) چاند کی شام یا شام کے آخری حصہ میں۔ اس نے یہاں عشية الهلال اور سرار العشية مراد لیا ہے یہ آتيك الغداة أو عشيها سے زیادہ شدید ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 101